رالف رسل

شادم از زندگئ خویش

کانفرنسیں

مجھے کافی عرصے سے مختلف کانفرنسوں میں شرکت کرنے کی دعوتیں مل رہی ہیں۔ عام طور پر میں یہ دعوتیں قبول نہیں کرتا۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔ ایک تو یہ کہ اکثر کانفرنسوں کے موضوعات سے مجھے کوئی خاص دلچسپی نہیں۔ پھر اگر ہو بھی تو میں اس وقت تک شریک ہونا مناسب نہیں سمجھتا جب تک مجھ میں کانفرنس کے موضوع پر کچھ کہنے کی صلاحیت نہ ہو۔ مثال کے طور پر کچھ سال پہلے احمد ندیم قاسمی پر ایک کانفرنس منعقد کی گئی۔ میں قاسمی صاحب سے ۱۹۵۰ سے واقف ہوں اور اس وقت سے آج تک ان سے بہت اچھے تعلقات رہے ہیں۔ لیکن میں نے دعوت اس لیے قبول نہیں‌کی کہ میں نے ان کا صرف ایک آدھ افسانہ ہی پڑھا تھا اور ان کی شاعری تو بالکل نہیں۔ ایسی کانفرنس میں شرکت کرنا میرے نزدیک بے کار ہے جس میں مصنّف کی تصنیفات کے بارے میں آپ کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہ ہو۔ بعض لوگوں کو تعجّب ہوا کہ میں نے جانے سے انکار کیوں کیا۔ واپسی کرائے اور آرام سے رہنے کے بندوبست کی پیش کش تھی، اور بعض لوگ سمجھے کہ یہ بجائے خود شرکت کرنے کا جواز تھا۔ خیر ان کے لیے ہوگا۔ میرے لیے تو ہرگز نہیں۔ اس موقعے پر میں نے کانفرنس کے کنوینر کو لکھا کہ ''اگر میں آپ کی دعوت قبول کرتا تو آپ میرے واپسی کرائے پر اور کانفرنس کے دوران قیام کے اخراجات پر کافی رقم صرف کرتے۔ میری تجویز ہے کہ آپ یہ رقم مجھے دے دیجیے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں یہ ساری رقم اردو کی خدمت میں صرف کروں گا۔ آپ کی کانفرنس میں میری شرکت سے اردو کی کوئی خدمت نہیں ہوگی۔'' انھوں نے میرے خط کا جواب نہیں دیا۔

میں نے ایک دفعہ سے زیادہ دیکھا ہے کہ کانفرنس کا موضوع کچھ بھی ہو اور آپ کا اس موضوع کے متعلق علم ذرّہ برابر بھی نہ ہو، لیکن آپ کو دعوت ملے تو آپ ضرور شرکت کریں گے۔ میرا خیال ہے کہ ایسی صورت میں دعوت قبول کرنا کانفرنس کے منتظمین

کی توہین ہے۔ بدقسمتی سے اکثر یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ خود کانفرنس کے منتظمین کو اپنی کانفرنس کے موضوع سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہوتی۔ کانفرنس منعقد کرنے کا مقصد کچھ اور ہوتا ہے۔ وہ دنیا کو بڑے فخر کے ساتھ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ انھوں نے ایک بہت ہی شاندار کانفرنس کا اہتمام کیا ہے، اور بس۔ یہ خاص طور پر اس صورت میں ہوتا ہے جب وہ اپنی کانفرنس کو ''بین الاقوامی کانفرنس'' کہہ سکیں۔ عام طور پر ''بین الاقوامی'' کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کانفرنس اگر ہندوستان میں ہے تو اس میں ایک آدھ پاکستانی کو بھی شریک کیا گیا ہے، اور اگر پاکستان میں ہے تو ایک آدھ ہندوستانی کو۔ چلیے کانفرنس بین الاقوامی ہو گئی۔ کانفرنس واقعی صحیح معنوں میں بین الاقوامی ہو جس کی تیاری میں کافی محنت کی گئی ہو تو بھی میں صرف اس صورت میں شریک ہونے کی دعوت قبول کروں گا جب میرے پاس اس کے موضوع پر کچھ کہنے کو ہو، اور وہ بھی کچھ جو میں نے پہلے نہ کہا ہو یا لکھا ہو۔ کچھ سال پہلے میر پر ایک کانفرنس ہوئی۔ مجھے بلایا گیا۔ واپسی کرایا وغیرہ دینے کا وعدہ تھا، لیکن میں نہیں گیا۔ اس لیے نہیں گیا کہ میر کے بارے میں مجھے جو کچھ کہنا تھا میں اپنی اور خورشید الاسلام کی کتاب *Three Mughal Poets* میں کہہ چکا تھا۔ اسی طرح غالب کے بارے میں کہنے کو بھی میرے پاس کوئی نئی بات نہیں ہے۔ فیض کے موضوع پر کچھ سال پہلے لکھنئو میں کانفرنس ہوئی۔ یہ واقعی بین الاقوامی کانفرنس تھی۔ ہندوستانی، پاکستانی، روسی اور انگریز سب ہی اس میں موجود تھے۔ اس وقت تک میں نے فیض کے بارے میں جو کچھ لکھا تھا، وہ خود میرے نزدیک ناکافی تھا۔ اس لیے گیا اور اس میں مقالہ پڑھا (جس پر اتّفاق سے کافی لوگوں نے اعتراض کیا)۔ اب میں نے اپنی کتاب *The Pursuit of Urdu Literature* میں فیض پر ایک پورا باب لکھا ہے اور اب اگر فیض پر کوئی کانفرنس منعقد کرنا چاہے اور مجھے بلائے تو میں نہیں جاؤں گا۔

پچھلے چند برسوں میں ان لوگوں کی تعداد میں خاصا اضافہ ہوا ہے جنھوں نے سوچنا شروع کیا کہ ''کانفرنس'' اپنی جگہ ٹھیک ہے، اور اس سے زیادہ شاندار ''بین الاقوامی'' کانفرنس ہے، لیکن اس سے بھی زیادہ شاندار ''عالمی اردو کانفرنس'' ہوگی۔ چنانچہ انھوں نے ایک کے بعد دوسرا اعلان کیا کہ وہ عالمی اردو کانفرنس کا اہتمام کر رہے ہیں۔ پہلی ''عالمی کانفرنس'' جس کا مجھے علم ہے چند سال پہلے کراچی میں منعقد ہوئی۔ مجھے دعوت نامہ بھیجا گیا، لیکن میں نے دعوت قبول نہیں کی۔ مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ صحیح معنوں میں عالمی کانفرنس ہو ہی نہیں سکتی اور یہ کہ خود کانفرنس کے

منتظمین بھی یہ بات اتنی ہی اچھی طرح جانتے ہیں جتنی میں جانتا ہوں۔ مجھے افسوس بھی ہوا اور غصّہ بھی آیا۔ ایسے تماشے کا یہ نام رکھنے کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر آیندہ کوئی سچ مچ کی عالمی کانفرنس منعقد کی جائے تو معقول لوگ اسے بھی ایسی ہی ''عالمی کانفرنس'' سمجھیں گے جیسی ہوتی رہتی ہیں۔ کسی عالمی کانفرنس کے انتظام کو جو صحیح معنوں میں عالمی ہو، کافی لمبی تیاری اور کافی روپیہ چاہیے، جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایسے ادارے کو اس کے انتظام کی ذمہ داری لینی ہوگی جس کے پاس کافی وسائل ہوں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ایک ایسا ادارہ واقعی موجود ہے جو ایسی ''عالمی'' کانفرنس کا انتظام کرسکتا تھا اور جس نے ایسی کانفرنس کرنے کا دعویٰ بھی کیا۔ یہ ادارہ پاکستان کا ''مقتدرہ قومی زبان'' ہے۔ لیکن اس ادارے نے پچھلے سال جس کانفرنس کا انتظام کیا اس کی خبر سن کر مجھے حیرت ہوئی کہ مقتدرہ والے اتنے بے شرم بھی ہو سکتے ہیں۔ بہت بڑی رقم صرف کر کے نہ مجھے بلایا گیا نہ کسی اور انگریز کو جو بتا سکتا کہ برطانیہ میں اردو کی صورتِ حال کیا ہے۔ دوسری طرف بعض ایسے لوگوں کو بلایا گیا جن کے ناموں سے بھی میں واقف نہیں تھا اور جن کی شرکت کسی بھی طریقے سے اردو کے لیے مفید نہیں ہو سکتی تھی۔ مجھے اس کانفرنس کا علم کانفرنس کے ختم ہونے کے بعد ہی ہوا۔

پچھلے سال سے پچھلے سال (۱۹۹۸) میں دہلی میں مجھے دو اور دلچسپ تجربے ہوے۔ ایک صاحب میرے پاس آئے اور ایک کارڈ دکھایا جس پر لکھا تھا ''عالمی اردو کانفرنس''۔ میں نے کہا، ''عالمی اردو کانفرنس؟ میں‌نے اس کا ذکر نہیں سنا۔ آپ کی کانفرنس ہوچکی ہے یا ہونے والی ہے؟'' خواجہ حسن ثانی نظامی پاس کھڑے ہوے تھا۔ انھوں نے کہا، ''یہ کانفرنس نہیں ہے، بس ایک ادارے کا نام ہے۔''

اس کے کچھ دن بعد مجھے معلوم ہوا کہ جمّوں میں ایک کانفرنس ہونے والی ہے۔ کانفرنس کے بعد ہی مجھے معلوم ہوا کہ دوسروں کے علاوہ پروگرام میں خلیق انجم صاحب کا نام بھی ہے اور میرا بھی۔ انھیں دنوں میں میری خلیق انجم صاحب سے تفصیلی ملاقات ہوئی تھی لیکن انھوں نے ان کانفرنس کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ کانفرنس کے بعد میں نے جب اس کا پروگرام حاصل کر کے دیکھا تو اس میں‌بھی یہی درج تھا کہ رالف رسل فلاں تاریخ کو فلاں موضوع پر مقالہ پڑھیں گے۔ آج تک اس کانفرنس کے بارے میں کوئی معلومات نہیں ملی۔

اب دسمبر ۱۹۹۹ کے شروع میں ایک صاحب نے (جن کا نام میں ٹھیک سے سن نہیں سکا) مجھے فون کیا اور کہا کہ فروری کے آخر میں ایک عالمی اردو کانفرنس ہوگی اور درخواست کی کہ میں اس میں مقالہ پڑھوں۔ میں نے کہا کہ آپ مجھے ہونے والی کانفرنس کے بارے میں کاغذات بھیجیے تو میں غور کروں۔ انھوں نے وعدہ کیا اور اس کے کچھ دن بعد انھیں صاحب نے مجھے فون کیا جنھوں نے دسمبر میں فون کیا تھا۔ میں‌نے ان کو ان کا وعدہ یاد دلایا تو پھر متعلقہ کاغذات بھیجنے کا وعدہ کیا۔ اس دفعہ انھوں نے بھیجے بھی۔ معلوم ہوا کہ اس کانفرنس کا اہتمام ایک ادارہ بنام اردو ٹرسٹ کر رہا ہے۔ اور پھر ٹیلیفون پر میری ان سے گفتگو ہوئی۔ میں نے پوچھا کہ آپ کی کانفرنس میں کون کون آرہے ہیں؟ کہا کہ ان لوگوں کے نام جن کو دعوت نامہ بھیجا گیا ہے میں بتا سکتا ہوں لیکن ابھی مجھے معلوم نہیں کہ ان میں سے کون کون دعوت قبول کریں گے۔ جب معلوم ہوا آپ کو بتا دوں گا۔ میں نے کہا کہ میں شرکت نہیں کرسکتا، لیکن مجھے آپ کی کانفرنس کی روداد سے بڑی دلچسپی ہے۔ آپ مجھے اس کی خبریں بتاتے رہیے گا۔ کانفرنس سے کچھ دن پہلے اس کا چھپا ہوا پروگرام مجھے ملا۔ آخر میں لکھا تھا "Guest Speakers: Dr. Ralph Russell, Dr. David J. Matthews, Mr. Salman Asif" ۔ ظاہر ہے کہ منتظمین نے یہ جانتے ہوے کہ میں اس میں شرکت نہیں کروں گا یہ حرکت کی تھی۔ اس کے بعد میں نے صابر ارشاد عثمانی صاحب کو — یہ وہی صاحب ہیں جن سے ٹیلیفون پر کئی بار میری گفتگو ہوئی تھی اور جو ’’اردو ٹرسٹ‘‘ کے سیکرٹری ہیں — سخت احتجاج کا خط لکھا جس کا، ظاہر ہے، وہ کوئی اطمینان بخش جواب نہیں دے سکے۔ خیر اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ اب ’’اردو ٹرسٹ‘‘ کے بارے میں کچھ سنیے۔

میں نے ان سارے کاغذات کا غور سے مطالعہ کیا جو مجھے بھیجے گئے تھے۔ یہ کل چھہ صفحے تھے۔ معلوم ہوا کہ ٹرسٹ کے چیرمین ایک صاحب ڈاکٹر عبدالغفّار عزم صاحب ہیں۔ میں ان صاحب سے بہت سال سے واقف ہوں۔ SOAS میں اکثر ان سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ سب ہی اتفاقی۔ ہر ملاقات میں وہ بڑے احترام سے پیش آتے تھے اور کہتے تھے کہ ایک تقریب کا اہتمام کریں گے جس میں میں مہمانِ خصوصی ہوں گا۔ لیکن کبھی کچھ ہوا نہیں۔

’’اردو ٹرسٹ‘‘ کے اغراض و مقاصد اور اس کی مجلسِ مشاورت کے پہلے اجلاس کی روداد پڑھ کر مجھے حیرت ہوئی۔ اول تو معلوم ہوا کہ وہ اجلاس، جو ۵ جولائی ۱۹۹۸ کو ہوا، نہ صرف پہلا بلکہ واحد اجلاس تھا، کیوں کہ اس کے بعد کسی اجلاس کا کوئی ذکر

نہیں تھا۔ پھر روداد میں درج اغراض و مقاصد کے بیان سے معلوم ہوا (اور یہاں میں انہیں کاغذات کے الفاظ نقل کر رہا ہوں): ”[اردو ٹرسٹ] کی بنیاد نومبر ۱۹۹٦ [میں] پڑی۔ مئی ۱۹۹۷ میں چیرٹی نمبر [charity number] حاصل ہوا۔ “ ”اردو ٹرسٹ کا ا کاؤنٹ ۳۵۰ پونڈ مبلغ سے شروع کرایا تھا۔ اس وقت تک [یعنی ۵ جولائی ۱۹۹۸ تک] وہ ۳۵۰ پونڈ جوں کے توں ہیں۔“

اب دیکھیے کہ اس رقم کے بل بوتے پر جس میں بنیاد پڑنے کے دو سال بعد تک کوئی اضافہ نہیں ہوا، ٹرسٹ نے کیا کیا کام کرنے کا ارادہ کر لیا۔

— اردو کے لیے ایک مرکز، اردو گھر، اردو ہال، اردو کلب اور کتب خانے کے قیام — کا اہتمام کرنا

— تحقیقی ادارے کے قیام کا اہتمام کرنا

— اردو کے اشاعتی مرکز کے قیام کا اہتمام کرنا

میرا خیال ہے کہ اردو ٹرسٹ اور اس کے کرتا دھرتاؤں پر مزید تبصرے کی ضرورت نہیں۔ یہ کہنا بے جا نہیں ہوگا کہ ٹرسٹ کا بنیادی مقصد (جس کا ذکر ”اغراض و مقاصد“ میں نہیں) عبدالغفار صاحب اور ان کے ساتھیوں کا شہرت حاصل کرنا ہے۔ ذرا سوچیے، پاکستان کے مقتدرہ قومی زبان کے رسالے ”اخبارِ اردو“ میں خبر چھپی کہ اردو ٹرسٹ ایک بین الاقوامی کانفرنس کا اہتمام کر رہا ہے، یعنی ایک بہت ہی نیک کام کر رہا ہے۔ قاری بہت متاثر ہوے ہوں گے۔ وہ کیا جانیں کہ اس کانفرنس کا اہتمام کیسا کیا جا رہا ہے اور کہ یہ واقعی بین الاقوامی کہلانے کے لائق ہو گی بھی یا نہیں۔ بس اردو ٹرسٹ کا کام چل گیا۔

کانفرنس کے بعد میں نے صابر عثمانی صاحب سے درخواست کی کہ وہ مجھے اس کی وہ رپورٹ بھیجیں جو اردو ٹرسٹ یقیناً تیار کر رہا ہوگا۔ انھوں نے بھیجنے کا وعدہ کیا اور لکھا کہ اتنے میں آپ لندن روزنامے ”جنگ“ کی ۲ اور ۹ مارچ کی اشاعتوں میں اس کی رپورٹ دیکھ سکتے ہیں۔ میں نے وہ رپورٹ نہیں دیکھی اور آج تک (۵ ستمبر ۲۰۰۰ تک) ٹرسٹ کی کوئی رپورٹ نہیں ملی ہے۔ اب معلوم ہوا ہے کہ ٹرسٹ نے ۲۷ اگست کو ایک اور بین الاقوامی کانفرنس منعقد کی ہے۔

”گفتنی“ (ناگفتنی)

اکثر مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ اردو کے عَلم بردار عام طور پر لاپرواہی اور غیر ذمے داری کا ثبوت دیتے ہیں۔ حال ہی میں میرے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا جو اس لاپرواہی اور غیر ذمے داری کی بڑی جاندار مثال پیش کرتا ہے۔

اکتوبر ۲۰۰۰ کے آخر میں مجھے شعیب عظیم نام کے ایک صاحب کا خط ملا۔ اس میں اور باتوں کے علاوہ یہ بھی لکھا تھا:

> چند روز ہوے ''گفتنی'' پڑھ رہا تھا۔ آپ کی اور خورشید الاسلام کی دوستی ایک معمولی بات پر ختم ہو گئی جو اردو کے لیے نقصان رساں ہے۔ میں کم علم آدمی ہوں۔ سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ کتاب پر نام اوپر نیچے لکھنے میں کیا فرق پڑتا ہے۔
>
> رالف رسل
>
> خورشید الاسلام یا
>
> خورشید الاسلام
>
> رالف رسل۔
>
> براہ کرم اس علمی باریکی پر روشنی ڈالیں۔

مجھے حیرت ہوئی۔ ایک تو مجھے نہیں معلوم تھا کہ ''گفتنی'' کس بلا کا نام ہے۔ دوسری بات یہ کہ یہ بالکل غلط اطلاع شعیب صاحب کو کہاں سے ملی۔ سوچ رہا تھا کہ کیا جواب دوں کہ اتنے میں سلطانہ مہر صاحبہ نے مجھے ''گفتنی'' کی ایک جلد بھیجی۔ میں بہت متاثر ہوا۔ ایک تو یہ بہت ضخیم کتاب تھی (۶۲۲ صفحوں کی) اور دوسرے یہ کہ اس پر ''اول'' لکھا تھا۔ یعنی یہ کہ اتنی ہی ضخیم کم از کم ایک اور جلد آنے والی ہے۔ میں نے مزید دیکھا کہ سرورق پر ''گفتنی'' کے نیچے ''نثر نگاروں کا تذکرہ'' لکھا ہے۔ شعیب عظیم صاحب کے خط کی روشنی میں سمجھا کہ اس میں میرا بھی ذکر ہوگا حالانکہ میں اردو کا نثرنگار نہیں ہوں۔ لہٰذہ میں نے اپنا تذکرہ ''گفتنی'' میں تلاش کیا۔ اس اثنا میں مجھے ایک بات یاد آئی جو میں بالکل بھول گیا تھا۔ عرصہ ہوا سلطانہ مہر صاحبہ نے مجھے خط لکھ کر میری تصویر اور خط کے نمونے کی فرمائش کی تھی اور میں نے یہ جواب دیا تھا کہ میں اردو کا

نثرنگار نہیں ہوں چنانچہ مجھے اپنی کتاب میں شامل نہ کیجیے۔ اس کے چند ماہ بعد جناب عاشور کاظمی صاحب نے مجھ سے اسی قسم کی فرمائش کی، لیکن انھوں نے یہ نہیں بتایا کہ یہ فرمائش دراصل وہ سلطانہ مہر کے کہنے پر کر رہے ہیں۔

اب میں نے اپنا تذکرہ پڑھنا شروع کیا۔ میں نے فوراً دو باتیں نوٹ کیں۔ ایک یہ کہ سرخی میں لکھا ہے "پروفیسر رالف رسل، برمنگھم، برطانیہ۔" دوسری یہ کہ تذکرے کے آخر میں میرا پتا یوں دیا گیا ہے: "Mr. Ralph Russel, 33 Theater Street"۔ میں نے تذکرے میں یہ بھی پڑھا:

> پروفیسر رالف رسل کے بارے میں میں نے [سلطانہ مہر نے] تھوڑا بہت پڑھ رکھا تھا اور دو بدو ملنے کی خواہش برطانیہ جا کر پوری ہوسکتی تھی۔ ۱۹۹۷ میں برطانیہ بھی جانا ہوا لیکن میری آمدورفت صرف لندن تک محدود رہی [۔مزے کی بات یہ ہے کہ میں لندن ہی میں رہتا ہوں]۔

تذکرے میں مزید لکھا تھا:

> "عالی صاحب،" میں نے ان سے پوچھا، "خورشید الاسلام صاحب اور پروفیسر رالف رسل کے درمیان اختلافات کی وجوہ کیا تھیں؟"
>
> "بھئی یونیسکو سے ان کا معاہدہ تھا کی اس کتاب پر دونوں کا نام آئے گا۔ تو اب خورشید کا کہنا تھا کہ ان کا نام پہلے آئے اور رالف چاہتے تھے کہ ان کا نام پہلے آئے۔ بس اسی بات پر تنازعہ بڑھ گیا۔"
>
> "بس اتنی سی بات پر برسوں کے یارانے گئے،" میری زبان سے بے ساختہ نکلا۔
>
> "اسے تم اتنی سی بات کہہ رہی ہو نا، یہ تو اسکالروں کا تنازعہ تھا۔ تخلیقی لوگوں میں تو یہ ہوتا ہے مگر اسکالری میں اس کی بڑی اہمیت ہے۔" عالی صاحب نے مجھے سمجھایا اور مجھے نظیر اکبرآبادی یاد آگئے کہ "سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا۔"
>
> رہے نام اللہ کا۔ باقی سب تو میرے نزدیک حرص و ہوس ہے جسے بہر حال ایک حد میں رہنا چاہیے کہ یہ بھی جبلّت ہے۔ مگر یہ کام میں حارج ہو

تو اس جذبے کی بیخ کنی بہت ضروری ہے۔

’’پھر کیا ہوا؟‘‘ میں نے عالی صاحب سے پوچھا۔ ’’آپ کس کے حق میں تھے؟‘‘

’’میں نے رالف کا ساتھ دیا۔ … ‘‘

یہ سب پڑھ کر مجھے بڑا غصہ آیا اور میں نے فوراً محترمہ کو انگریزی میں خط لکھا۔ انگریزی میں یوں کہ میں چاہتا تھا کہ میں جو لکھنا چاہتا ہوں ہو بالکل واضح طور پر بیان ہوجائے، اور یہ صرف آدمی کی مادری زبان میں بہتر طور پر ہو سکتا ہے، اور یہ بھی کہ اردو لکھنے میں انگریزی کے مقابلے میں مجھے کم از کم تین گنا زیادہ وقت لگتا ہے۔

Dear Sultana Meher,

A few days ago I received a copy of *Guftani*, for which many thanks. Some days before that I had received a letter from one Shoaib Azim in Dhaka in which he told me that he had read in *Guftani* an account of the ending of the friendship between me and Khurshidul Islam and could not understand why it had ended over so trivial a matter as a dispute over whose name should come first on a title page. I was at a loss to understand his letter. I did not know what *Guftani* was and I wondered where he had received this extraordinary piece of information about the ending of my and Khurshidul Islam's friendship. When the book arrived all became clear.

You standard-bearers of Urdu never cease to amaze me. As you yourself say in your piece about me you had written to me telling me of your proposal to include me in an account of Urdu prose-writers. I had replied that I was not an Urdu prose-writer and that you should not include me. In spite of that you have done so. Ashur Kazmi at one stage wrote and asked me for a photograph of myself and a sample of my Urdu handwriting. He did not tell me why he wanted these things, and it is clear now that he wanted them to send to you. Obviously if he had told me that I would have refused to send them. Not only that. You head the piece about me "Professor Ralph Rusel, Birmingham, Britain." You had my address, which is a London address, and I have never at any stage in my life lived in Birmingham. At the end of the piece, you give my address, misspelling my name and misspelling the street. I am not "Ralf" but "Ralph" and "Russell," like ever other Russell I ever heard of, has two "l"s and not one. My address is not "Theater Street" but "Theatre Street." You rely for a lot of your so-called information about me on an

interview with Jamiluddin Aali. Either he is to blame for the things you attribute to him or you are to blame for misreporting him. In any case, the statement which appears saying that my breach with Khurshidul Islam was based upon a disagreement as to whose name should come first on the title page is absolutely false. You have now broadcast to the world that I am a mean and despicable person who would end a friendship of more than 40 years for such an utterly trivial reason. You have also broadcast to the world, although, thank God only to the Urdu-speaking population of the world, that Aali too is a mean and despicable person since he said that he agreed with my breaking with Islam on this pretext. Since you had decided, against my express wish, to include a piece about me in *Guftani*, you might at least have sent the text of what you proposed to print, so that I could check anything that was wrong with it. You didn't do that. I shall be sending you by post a copy of my reply to Shoaib Azim and I shall be sending him a copy of this email to you.

I don't see how you can possibly have anything reasonable to say in response to this email, but if you do, please send me your response promptly.

Yours sincerely
Ralph Russell

PS: Ashur Kazmi promised to return my photo promptly but he has never done so.

This was to have gone to you by email, but the email address you give in *Guftani* is evidently wrong.

چونکہ اب یہ گتّھی سلجھ چکی تھی، میں نے شعیب صاحب کو ان کے خط کا جواب دیا:

23/11/00
Dear Shoaib Azim Sahib

Your letter dated 17 October reached me on 25th and I was totally at a loss how to reply. I enclose a letter which I have written to Sultana Meher which will explain everything to you. To give the real reason for the breach with Khurshidul Islam would take too long, but you will at any rate realise that the reason was not that which *Guftani* gave.

With best wishes,

Yours sincerely,
Ralph Russell

سلطانہ مہر صاحبہ نے اپنے زعم میں نیک نیتی سے اپنا کام کیا ہے۔ لیکن اس کام کے کرنے کے دوران جس اخلاقی ذمے داری کو برتنا چاہیے تھا، انھوں نے نہیں برتا۔ مجھے اس کا افسوس ہے۔

[مسلسل]